جناب محمد محترم فہیم عثمانی ایم۔ اے

تنعّم و عیش کوشی

اسلام کی نظر میں

تنعم و عیش کوشی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ آدمی ایسی اغراض کے لئے اپنا مال صرف کرے جنکو شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے۔ مثلاً شراب، زنا کاری اور دوسرے محرمات پر مال صرف کرے یا اپنے مال کو جوئے بازی وسٹہ بازی میں لگائے یا محض اظہار ثروت اور دکھاوے کے لئے مال خرچ کرے۔ یہ تمام اغراض چونکہ شریعت اسلامیہ نے بذات خود ممنوع ٹھہرائی ہیں۔ اس لئے ان اغراض کے لئے اپنا مال استعمال کرنا بھی ممنوع ہے۔ تنعم و عیش کوشی کی یہ صورت تو ظاہر ہے۔ محرمات و ممنوعات کی صف میں آتی ہے۔ اور اسلام ان اغراض کے لئے مال کے استعمال کی کسی صورت اجازت نہیں دیتا۔ قانونی طور پر انکے سدباب کیلئے حدود و تعزیرات مقرر کرتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ تنعم و عیش کوشی کی اس صورت کے بارے میں۔ اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے جو شرعی حدود سے تو متجاوز نہ ہو اور جس سے بہرہ اندوز صرف ایسی اغراض پر مال صرف کرکے ہوا جائے جو مباحات کے دائرہ میں آتی ہوں۔ مگر ایسی تنعم و عیش کوشی کے نتیجے میں بھی معاشی ناہمواری جنم لیتی ہو اور قومی دولت کا ضیاع ہوتا ہو۔ شریعتِ اسلامیہ میں مباحات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ ایک دولتمند کو اسلام نے ان مباحات سے لطف اندوز ہونے میں کسی حد کا پابند بھی کیا ہے۔ یا نہیں کیا۔ وہ بالکل آزاد ہے کہ اپنی ساری دولت ان جائز نعمتوں سے لطف اندوز ہونے میں صرف کردے اور جتنا زیادہ عیش اڑا سکتا ہو اڑائے۔

اسلام نے بنی نوع انسان کے لئے جو ضابطۂ حیات متعین کیا ہے اس میں اس طرزِ عمل کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی کہ ایک آدمی حدِ اعتدال سے تجاوز کرتے ہوئے خواہ وہ مباحات

کے دائرہ ہی میں ہو عیش و آرام اور اسکی خاطر کسبِ مال کو عملاً اپنی زندگی کا مقصد بنالے۔ مال و دولت کا مقصد قیامِ حیات ہے مگر خود قیامِ حیات بھی تو کچھ مقاصد کے تحت ہی مطلوب ہے۔ قیامِ حیات کے ضروری اہتمام کے بعد اسلام اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ انسان ان بلند تر مقاصدِ حیات کیطرف توجہ کرے اور اپنے فاضل مال و دولت کو ان مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنائے نہ کہ اسے عیش کوشی اور تنعم کی نذر کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عیش و عشرت میں غرق ہو جانے والی زندگی کو سخت ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ اور اس سے اجتناب کی تاکید کی ہے۔ قرآن کریم لذاتِ دنیا میں انہماک اور مبالغہ کی حد تک آرام و سہولت کی طلب سے بھرپور زندگی کا بیان ان الفاظ میں کرتا ہے۔

اعلموا انما الحیٰوۃ الدنیا لعب و	جان لو کہ دنیا (پرستی) کی زندگی لہو ولعب
لھو وزینۃ وتفاخر بینکم	زینت و آرائش باہمی مفاخرت اور مال و
وتکاثر فی الاموال والاولاد	دولت کے اعتبار سے ایک دوسرے
(الحدید : ۲۰)	سے آگے بڑھنے کی کوشش کا نام ہے۔

اسی قسم کی دنیا پرستانہ زندگی سے اجتناب کی تاکید کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاك والتنعّم فان عباد اللہ	خبردار عیش کوشی سے اجتناب کرو کیونکہ
لیسوا بالمتنعمین۔	اللہ کے (اچھے) بندے عیش کوش
(مشکوٰۃ المصابیح باب فضل الفقراء)	نہیں ہوتے۔

دنیا کی لذتوں میں انہماک دراصل انسان کو آخرت سے غافل اور اپنی انفرادی و اجتماعی ذمہ داری کی طرف سے لاپروا بنا دیتا ہے۔ صحابۂ کرام اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کے عہد میں اس بات کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ کہ امتِ مسلمہ کے تمام افراد عموماً اور ریاستِ اسلامیہ کے اہل کار خصوصاً تنعم کی زندگی سے اجتناب کو اپنی عادت بنالیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار آذر بائیجان کے والی کے نام ایک خط میں اسی بات کی خاص تاکید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یا عتبۃ بن فرقد ایاکم والتنعم	عتبہ بن فرقد خبردار عیش کوشی سے اجتناب
وزیّ اھل الشرك ولبوس الحریر	کرنا اور اہلِ شرک کی پوشاک سے
(سیرۃ عمر بن خطاب از ابن جوزیؒ)	اور ریشم کا لباس پہننے سے۔

غرض اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ تنعم وعیش کوشی کی زندگی کو اسلام ناپسندیدہ قرار دیتا ہے۔ اور اس سے اجتناب کی تاکید کرتا ہے مگر یہ سب کچھ تعلیم وترغیب ہدایت ورہنمائی اور اخلاقی دباؤ تک ہی محدود ہے اصل سوال تو یہ ہے کہ موجودہ معاشرہ میں اخلاقی گرفت اتنی کمزور ہو چکی ہے کہ محض اخلاقی بنیادوں پر تعلیم وترغیب کو کافی سمجھتے ہوئے یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ اس طرح لذات میں انہماک کی خواہش لوگوں کے دلوں سے نکل جائے گی اور تنعم بے جا کے نتیجے میں معیشت میں جو فساد پیدا ہوتا ہے اس کا سدباب ہو جائے گا سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ تنعم وعیش کوشی کی ممانعت میں اسلامی قانون کو کس حد تک دخل ہے۔

اسلام کے نقطۂ نظر سے تنعم وعیش کوشی کی ممانعت میں قانون کو جس حد تک دخل ہے اس پر گفتگو کرنے سے پہلے اس حقیقت کی نشاندہی ضروری ہے کہ اخلاقی بنیادوں پر تعلیم وترغیب کی بے اثری کا شکوہ کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ صورت حال اس معاشرے کی ہے جو مدتوں سے فساد کا شکار ہے اور جس میں انسان کی عملی زندگی کا کوئی گوشہ بھی صحت مند نہیں ہے۔ اسلام انسانی زندگی کے ہر گوشہ کی اصلاح کا علمبردار ہے۔ اسلام کے مثالی معاشرے میں اخلاقی دباؤ کے اثرونفوذ کی صورت حال اس موجودہ معاشرے سے قطعاً مختلف ہوگی اسلامی معاشرہ ایسے خطوط پر استوار ہوتا ہے کہ افراد معاشرہ میں انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے احساسِ ذمہ داری کی ایک ایسی اخلاقی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ شریعت کے وہ مقاصد بھی جن کے حصول کے لئے اسلامی ریاست کو افراد کے حقوق میں مداخلت کا اختیار دیا گیا ہے۔ وہ بھی افراد کے رضاکارانہ عمل سے حاصل ہونے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اسلامی ریاست قانون کا سہارا لینے سے پہلے اخلاقی دباؤ کے ذرائع استعمال کرتی ہے جب تک اور جہاں تک اخلاقی طریقوں اور تعلیم وترغیب کے ذریعہ انفرادی و اجتماعی مقاصد حاصل ہو سکتے ہوں، جبر سے کام نہیں لیتی۔

اخلاقی دباؤ کے تحت تعلیم وتربیت کے طریقہ میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس سے ایک طرف تو افراد معاشرہ کی اخلاقی وروحانی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے اور دوسری طرف انفرادی آزادی بھی مجروح نہیں ہوتی جس پر شریعت اسلامیہ کے تمام اوامر ونواہی کا دارومدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ آپ نے بہت سے ایسے مواقع پر جبکہ آپ قانونی طریقے اختیار کر سکتے تھے ترغیب،

تلقین سے کام لیا اور متعلقہ افراد کو غلط طرزِ عمل ترک کرنے اور مطلوبہ مستحسن رویہ اختیار کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اسی قسم کا ایک سبق آموز واقعہ حضرت ابوہریرہ بیان فرماتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ قال قال رجل یا رسول اللہ انّ لی جارًا یؤذینی قال انطلق فاخرج متاعک الی الطریق فانطلق فاخرج متاعہ فاجتمع الناس الیہ فقالوا ما شانک قال ان لی جارا یؤذینی فذکرت للنبی فقال انطلق فاخرج متاعک الی الطریق فجعلوا یقولون اللّٰھم العنہ اللّٰھم اخزہ فبلغہ فاتاہ فقال ارجع الی منزلک فواللہ لا اوذیک۔

(الادب المفرد للبخاری ص۲۱)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو مجھے تکلیف پہنچاتا ہے آپ نے فرمایا جاؤ اور اپنے گھر کا سامان نکال کر سڑک پر ڈال دو وہ آدمی گیا اور اس نے اپنا سامان باہر نکال دیا۔ پھر بہت سے لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا معاملہ ہے اس نے کہا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو مجھے تکلیف پہنچاتا ہے۔ تو میں نے نبی صلعم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور اپنا سامان نکال کر سڑک پر ڈال دو یہ سنکر وہ لوگ کہنے لگے. یا اللہ اس پر لعنت بھیج. یا اللہ اس کو ذلیل کر اس پڑوسی تک یہ باتیں پہنچیں تو وہ اس آدمی کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ تو اپنے گھر میں واپس آجا۔ خدا کی قسم اب میں تجھے تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔

اس واقعہ سے قارئین کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ کس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فرد کو دوسرے فرد کی ایذادہی سے بچانے کیلئے بجائے اس کے کہ کوئی قانونی اقدام فرماتے ایک نفسیاتی طریقہ اختیار کیا اور محض اخلاقی دباؤ سے اصلاح کا مقصد حاصل فرمالیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں اسی قسم کی اور متعدد مثالیں موجود ہیں جبکہ آپ نے نہایت حکیمانہ انداز میں رائے عامہ اور اخلاقی دباؤ کے استعمال کے ذریعہ انفرادی و اجتماعی اصلاح کا کام لیا۔ متعدد بار ایسا ہوا کہ جہاد کی تیاری کے لئے یا بعض اہلِ حاجت کی حاجت روائی کے لئے مالی امداد کی ضرورت ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے افراد معاشرہ پر کسی قسم کے محاصل وغیرہ عائد کرنے کی بجائے ان سے مالی تعاون کی اپیل فرمائی اور آپ کی اپیل کے نتیجے میں افراد معاشرہ نے اتنا مال حاضر کر دیا کہ ضرورت

پوری ہوگئی۔

غرض اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ اخلاقی دباؤ اور رائے عامہ کے دباؤ کو اصلاح کا ذریعہ بنانے کا طریقہ قانونی اقدام اور جبر کے استعمال سے کہیں بہتر ہے۔ رضامندی کے تحت انجام دیئے جانے والے کاموں میں جس حسن و کمال کی توقع کی جا سکتی ہے۔ وہ جبر و قہر کے ذریعہ کرائے جانے والے امور میں متوقع نہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اجتماعی زندگی میں ضابطہ بندی اور قانون کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ معاشرہ کتنا بھی صالح کیوں نہ ہو۔ افراد کی طبیعتوں کا مختلف ہونا لابدی امر ہے۔ ان میں خیر پسندوں کے ساتھ ساتھ شر پسندوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کے علاوہ افراد کے درمیان علم، پیش بینی، صبر و ضبط اور اسی قسم کی دوسری صفات کی کمی زیادتی پر بھی افراد کے غلط یا صحیح طرز عمل اختیار کرنے کا انحصار ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر صرف تعلیم و تربیت اور ترغیب و ہدایت پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اجتماعی مفادات و مصالح کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ ریاست افراد کے اعمال کی نگراں بن کر رہے —

شریعت مطہرہ کی دور بین نظروں سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ جو کام بعض اوقات ترغیب و تلقین کے ذریعہ پورے نہیں ہوتے وہ قوت اور اقتدار کے ذریعہ بآسانی انجام پا جاتے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان اللہ لیزعی بالسلطان مالا یزعی بالقرآن (سراج الملوک للطرطوشی)

اللہ سلطان کے ذریعہ ان امور کی نگرانی کر لیتا ہے جنکی نگرانی قرآن کے ذریعہ نہیں کرتا۔

اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت عثمان کیطرف بھی منسوب ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

مایزع الامام اکثر مما یزع القرآن (احکام القرآن - قرطبی)

جتنا کچھ امام (بزور قانون) درست رکھتا ہے وہ اس سے زیادہ ہے جسے قرآن (ترغیب کے ذریعہ) درست رکھتا ہے۔

بہر حال یہ امر واقعہ ہے کہ ترغیب و تلقین کے ذریعہ کاموں کا انجام پا جانا بحیثیت مجموعی ایک بڑی اچھی بات ہے مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ افراد معاشرہ اپنی انسانی فطری کمزوری کی بنا پر بسا اوقات غفلت اور کوتاہ بینی کا شکار ہو کر اہم اجتماعی مصالح کے تحفظ سے قاصر رہ جاتے ہیں اس لئے ضرورت ہوتی ہے کہ ریاست اخلاقی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ قانون کی مدد سے بھی افراد کو ان حدود کا پابند بنا کر رکھے جو اجتماعی مفادات و

مصالح کے تحفظ کیلئے وضع کیے گئے ہوں

اب ہمیں یہی دیکھنا ہے کہ بے جا تنعم و عیش کوشی کے سدِ باب کے سلسلہ میں اسلامی ریاست کون سے قانونی ذرائع استعمال کرنے کی مجاز ہے اگر ایک شخص مباحات کے دائرہ میں تو رہتا ہے مگر عیش و آرام کی خاطر حدِ اعتدال سے تجاوز کرتے ہوئے بے دریغ مال و دولت خرچ کرتا ہے اور اجتماعی مفادات کی کوئی پرواہ نہیں کرتا تو کیا اسلامی فقہ کی رو سے اسلامی ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قانونی طور پر اس شخص کے مالکانہ تصرفات پر پابندی لگا دے۔

دراصل مباحات کی حد تک بھی تنعم و عیش کوشی کی زندگی بسر کرنے کے مسئلہ پر جب ہم اس حیثیت سے نگاہ ڈالتے ہیں کہ ایسی زندگی کے نتیجے میں فرد کے اپنے مصالح بھی مجروح ہوتے ہیں اور اجتماع کا نقصان بھی ہوتا ہے۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ فقہ اسلامی کی نظر میں اس طرح کے غلط اور غیر مفید تصرفات کرنے والا شخص سفیہ اور مفسد قرار پاتا ہے۔ اور سفیہ و مفسد شخص کے مالکانہ تصرفات پر فقہ اسلامی کی رو سے پابندی عائد کی جا سکتی ہے۔ جو شخص عیش کوشی میں محو ہو جاتا ہے۔ وہ مصالح مقاصد زندگی کیلئے اپنا مال اور وقت صرف کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے اور اسطرح وہ ایسی زندگی گذارتا ہے جو شریعت کی منشاء کے خلاف ہے لذاتِ دنیا میں انہماک انسان کو خواہشات نفسانی کی پیروی کا عادی بنا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ عقل عامہ بھی اسی بات پر گواہی دیتی ہے کہ ایک بامقصد اور ذمہ دار زندگی میں، اس طرز عمل کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہئے کہ آدمی اپنی ساری دولت گوناگوں لذات دنیوی سے لطف اندوز ہونے میں صرف کر دے اور زندگی کے دیگر بلند تر مقاصد کے حصول کیطرف کوئی توجہ نہ دے۔

ان حقائق کے پیش نظر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ عیش کوشی میں محو رہنے والا شخص ایسی زندگی گذارتا ہے جو خواہشات نفس کی پیروی کا نمونہ ہونے کے ساتھ ساتھ تقاضائے عقل کے بھی خلاف ہے۔ اور اصلاح جس حد تک طرزِ زندگی کا طالب ہے اس کے بھی منافی ہے۔

اور یہی بات فقہ اسلامی میں ایک شخص کو سفیہ قرار دینے کیلئے کافی ہے۔ چنانچہ ہدایہ کے ایک شارح سید جلال الدین خوارزمی صاحب کفایہ نے "سفہ" کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

سفہ شریعت کی منشاء کے خلاف عمل، خواہشات نفس کی پیروی اور تقاضائے

عقل کی خلاف ورزی کا نام ہے۔ سفیہ کو اخراجات میں تبذیر و اسراف کی عادت ہوتی ہے۔ وہ ایسے تصرفات کرتا ہے جن کا کوئی مقصد نہیں ہوتا یا ایسا مقصد ہوتا ہے جسے دیندار اصحاب عقل معقول مقصد قرار نہیں دیتے۔ مثلاً مغنیوں کو مال دینا یا اڑنے والے کبوتروں کو بھاری قیمت ادا کرکے خریدنا۔ عام تصرفات میں فراخ دستی سے کام لینا اور نیکی واحسان کے کاموں میں فراخدلی کا مظاہرہ شریعت کے نزدیک پسندیدہ ہے البتہ (ان کاموں میں بھی) اسراف حرام ہے جس طرح کہ کھانے پینے میں اسراف حرام ہے۔

(کتاب الحجر. باب الحجر للفساد)

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسراف بھی خواہ وہ حاجات ہی کی حدود میں ہو "سفہ" میں داخل ہے۔ اور اسراف کا اطلاق تو فی الواقعی ہوتا ہی ان مصارف پر ہے جو شرعی حدود کے اندر تو رہ کر کئے گئے ہوں۔ مگر ضرورت سے زیادہ اور حد اعتدال سے متجاوز مصارف کی صف میں شمار ہوتے ہیں۔ غیر شرعی مصارف پر مال خرچ کرنے والے کو شریعت کی اصطلاح میں مبذر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مسرف بھی فقہ اسلامی کی رو سے سفیہ شمار کیا جائے گا اور اس پر بھی حجر کیا جائے گا۔ یعنی اس کے مالکانہ تصرفات پر بھی اسلامی ریاست پابندی عائد کرنے کی مجاز ہوگی۔ اور اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ تنعم و عیش کوشی کی زندگی گذارنے والا اسراف کا مرتکب ضرور ہوتا ہے۔

تنعم و عیش کوشی کے حصول کی خاطر مال خرچ کرنے کی صرف چار ہی صورتیں ممکن ہیں اور چاروں صورتیں اسراف کے تحت آتی ہیں۔ عیش کوشی کے حصول کی ایک صورت یہ ہے کہ جس غرض کی تکمیل مال کی ایک مخصوص مقدار صرف کرکے کی جاسکتی ہے اس پر دانستہ اور بلا مزید فائدے کے آدمی اپنے مال کی زائد مقداریں صرف کرتا ہے۔ مثلاً محض نام و نمود اور اپنی دولتمندی کے زعم میں ایک چیز کو بازار سے زیادہ گراں قیمت پر جانتے بوجھتے خریدتا پھرتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ضرورت ایک مخصوص وصفی معیار کے حامل سامان سے پوری ہوسکتی ہے۔ مگر عیش کوشی کی زندگی گذارنے والا اسی ضرورت کی تشفی کے لئے اس سامان سے برتر وصفی معیار کے سامان کا طالب ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آمد و رفت کی سہولت، عام معیار کی کاروں "ٹویوٹا" یا "اوپل" وغیرہ کے ذریعہ بھی میسر آسکتی ہے مگر وہ

اسکی خاطر اعلیٰ معیار کی کاریں مرسڈیز یا رولس رائز خریدتا ہے۔ تنعم وعیش کوشی کے حصول کی تیسری صورت یہ ہے کہ آدمی اہم تر ضروریات کو نظر انداز کر کے غیر اہم امور پر مال صرف کرتا ہے۔ علاج اور علم کا حصول انسان کی بنیادی ضرورتوں میں شمار ہوتے ہیں مگر وہ نظر انداز کر کے اپنے گھر کی زیب وزینت پر بے دریغ دولت خرچ کرتا ہے اور چوتھی صورت عیش کوشی کی یہ ہے کہ اجتماع کے عام معاشی ضرورتوں کی پرواہ کئے بغیر عیش کوشی کی زندگی گذارنے والا اپنے آرام وراحت کی خاطر فضول اخراجات کا ارتکاب کرتا رہتا ہے۔ اب ذرا غور کیجئے عیش کوشی کے حصول کی خاطر مال صرف کرنے کی یہ چاروں شکلیں اسراف ہی کے تحت آتی ہیں۔ عیش کوشی کا حصول ان چاروں صورتوں کے علاوہ ممکن ہی نہیں گویا اسراف کئے بغیر تنعم وعیش کوشی کی زندگی گذاری ہی نہیں جاسکتی اور جو شخص مسرف ہو وہ محولہ بالا عبارت کی رو سے سفیہ ہے اور سفیہ کے مالی تصرفات پر فقہ اسلامی کی رو سے حجر جائز ہے۔

یہ بات کہ مسرف پر بھی سفیہ کا حکم لگایا جاسکتا ہے سفہ کی اصطلاح کی اس تعریف سے بھی ظاہر ہے جو سرخسی نے المبسوط میں بیان کی ہے۔ سرخسی کے مطابق سفہ کی تعریف یہ ہے کہ :-

> سفہ شریعت کے منشار کے خلاف عمل کا نام ہے وہ خواہشات نفس کی پیروی اور عقل وخرد کے تقاضے کی خلاف ورزی کا نام ہے۔ عام تصرفات میں فراخ دستی سے کام لینا اور نیکی واحسان کے کاموں میں فراخ دلی کا مظاہرہ شرعاً پسندیدہ ہے۔ لیکن ان کاموں میں تبذیر واسراف سے کام لینا شریعت اور عرف عام دونوں میں برا ہے۔ (المبسوط جلد ۲۴ ص ۱۵۱)

سفیہ کے مالی تصرفات پر پابندی کے جواز کے اصول پر فقہ اسلامی کے چاروں مکاتب کا اتفاق ہے۔ گو امام ابو حنیفہؒ کسی عاقل وبالغ آزاد مالک پر تبذیر واسراف یا اضاعت مال کی بنا پر حجر کے قائل نہیں۔ لیکن مختار قول حنفی مکتب فقہ میں بھی حجر کے جواز پر ہی ہے۔ غرض جمہور فقہائے اسلام تبذیر واسراف اور مال کو ضائع کرنے کی بنا پر اسلامی ریاست کو حق دیتے ہیں کہ وہ ایسے شخص کے مالکانہ تصرفات پر مناسب پابندی لگا دے۔ اس مختصر مضمون میں اسکی گنجائش نہیں کہ اس مسئلہ پر چاروں مکاتب فقہ کی طول طویل بحث کو نقل کیا جائے۔ جو صاحب تحقیق کے خواہاں ہوں وہ "الفقہ علی المذاہب الاربعہ" لعبد الرحمن الجزیری جلد دوم کے صفحات از ۴۷۶ تا ۴۸۳ مطالعہ فرمالیں۔

سفیہ کے معاملے میں حجر کئے جانے سے متعلق جمہور فقہاء کی اس رائے کا ماخذ قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔

ولا تؤتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما .... فان آنستم منہم رشداً فادفعوا الیہم اموالہم	اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے لئے قیامِ زندگی کا ذریعہ بنایا ہے، نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو .... پھر اگر تم ان کے اندر اہلیت پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کردو۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ مالکانہ تصرفات کے لئے رشد ضروری ہے اور رشد فقہاء کی اصطلاح میں مالی تصرفات میں معقولیت کی راہ اختیار کرنے ہی کا نام ہے۔

غرض تنعم وعیش کوشی کے حصول میں اگر کوئی شخص اپنے مال میں ایسے تصرفات کرتا ہے جو مباحات کے دائرہ میں تو ہوں مگر حدِ اعتدال سے متجاوز ہوں۔ اور ان تصرفات سے اس شخص کے ذاتی مفادات مجروح ہونے کے ساتھ ساتھ اجتماعی مصالح کو بھی خطرات لاحق ہو رہے ہوں تو اسلامی ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس شخص کے مالکانہ تصرفات پر مناسب پابندی عائد کر دے۔ اس پابندی کی عملی شکلیں حالات کی مناسبت سے متعین کی جا سکتی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تنعم وعیش کوشی کے عادی حضرات کو اسلامی ریاست بعض مدات میں اپنا مال صرف کرنے سے بالکل روک دے یا بعض مدات میں صرفِ مال سے پہلے ریاست کی اجازت کو ضروری قرار دیدے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایسے افراد کو تمام امور میں صرفِ مال سے پہلے ریاست کی اجازت کا پابند بنا دیا جائے۔

اس سلسلہ میں البتہ ایک بات بڑی اہم ہے وہ یہ کہ عیش کوشی کے مظاہر کی تعین دورِ جدید کی زندگی میں چودہ سو برس پہلے کے پیمانوں سے ناپ کر نہیں کی جا سکتی۔ فنی ترقی کے اس دور میں وسائلِ معاش کی فراوانی کے باعث معیارِ زندگی میں پہلے کے مقابلہ میں بے حد تبدیلی آگئی ہے البتہ یہ اصول اپنی جگہ برقرار ہے۔ کہ مصارفِ زندگی کے بارے میں حدِ اعتدال سے تجاوز ہر دور میں مذموم رہا ہے۔ اور آج بھی مذموم ہے۔ اگر افرادِ معاشرہ میں حدِ اعتدال سے تجاوز کا رجحان پایا جائے تو اس کے سدِ باب کیلئے ریاست کو اختیار ہے کہ وہ اخلاقی دباؤ کے ساتھ ساتھ قانونی ذرائع سے بھی کام لے اور مناسب پابندیاں عائد کرے۔ آج کے دور میں

کوئی وجہ نہیں کہ ایک فرد کو اپنے ذاتی استعمال کے لئے متعدد قیمتی کاریں رکھنے سے نہ روکا جائے یا بے دریغ دولت صرف کرکے عالیشان محلات تعمیر کرنے سے منع نہ کیا جائے جبکہ دوسرے افراد معاشرہ اپنی ضرورت کے لئے ایک معمولی سی سائیکل رکھنے اور سر چھپانے کے لئے ایک جھونپڑی بنانے کی بھی ہمت نہ رکھتے ہوں۔

اس تمام بحث سے تنعم و عیش کوشی کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر قارئین پر پوری طرح واضح ہوگیا ہوگا۔ اسلام ہر فرد کو اسکا تو پورا پورا اختیار دیتا ہے کہ وہ شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے دنیوی نعمتوں سے پوری طرح لطف اندوز ہو مگر اس میں بھی حد اعتدال سے تجاوز کو اسلام سخت ناپسندیدہ سمجھتا ہے اور تنعم و عیش کوشی کی ایسی زندگی سے اجتناب کی تاکید کرتا ہے جس کے نتیجے میں افراد کے ذاتی مفادات بھی مجروح ہوتے ہوں اور اجتماعی مصالح کو بھی نقصان پہنچتا ہو۔ اسلام اس قسم کی خطرناک صورت حال کے سدباب کے لئے افراد معاشرہ کی اخلاقی بنیادوں پر اصلاح کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست کو اس بات کی بھی اجازت دیتا ہے کہ وہ اس مقصد کیلئے قانونی ذرائع کو بھی بروئے کار لائے اور ایسے افراد کے مالی تصرفات پر مناسب قانونی پابندیاں عائد کردے جو اس صورت حال کے ذمہ دار ہوں۔

اسلامی سوشلزم
اپنے مفہوم کی روشنی میں

از محمد محترم فہیم عثمانی ایم اے

بلند پایہ اور تحقیقی مضامین کا مجموعہ۔ تبلیغی مقصد کے لئے نصف قیمت پر بھی زیادہ نسخے فراہم کئے جاسکتے ہیں تفصیلات کیلئے لکھئے

دینی دار المطالعہ مسجد مقدس دھوبی منڈی

پرانی انار کلی لاہور